

قرآنی نظامِ ربوبیت

ملکیتِ زمین

فطری قانونِ حقِ ملکیت:

قدسی اشیاء سے فائدہ اٹھانے کا فطری طریقہ یہی ہے کہ جس نے اس سے فائدہ اٹھانے میں پہل کر لی وہ اس کا حقدار سمجھا لیا گیا۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جنگل میں عموماً درختوں کے پتے، شاخیں اور دیگر لکڑیاں بے کار پڑی رہتی ہیں۔ اب کوئی شخص انہیں اکٹھا کر کے ایندھن کے طور گھر لے آتا ہے یا انہیں منڈی میں لے جا کر فروخت کر دیتا ہے تو اس کا یہ حق تسلیم کیا جائے گا۔ ایندھن کو اکٹھا کرنے یا اس پر قبضہ کرنے سے پیشتر یہ حق سب انسانوں کے لیے برابر تھا کہ جو کوئی اسے اکٹھا کر کے اس پر اپنا قبضہ جملے تو یہ اس کی ملکیت سمجھی جائے گی۔

اب اگر ایک شخص ایندھن کو اکٹھا کر دیتا ہے لیکن اسے یونہی جنگل میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کرتا تو پھر بھی اس کا حق ملکیت ختم ہو جائے گا۔ اب جو شخص پہلے آکر اس پر قبضہ جملے گا وہ اسی کی ملکیت تصور ہوگا۔ لیکن اگر پہلے شخص کا جننے اکٹھا کرنے کی محنت کی ہے۔ قبضہ بحال ہوا اور کوئی دوسرا شخص یہ جھگڑا ڈال دیتا ہے کہ اس میں سے آدھا مجھے دے دو یا سارا ہی چھین لیتا ہے تو دوسرا شخص غاصب تصور ہوگا جس نے پہلے شخص کے حق ملکیت کو چھیننے یا اس میں جھگڑا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یا اگر پہلے شخص نے یہ ایندھن اکٹھا کر کے اپنے گھر میں محفوظ کر لیا ہے اور کوئی دوسرا شخص پہلے شخص سے آنکھ بچا کر اس کا محفوظ کیا ہوا ایندھن اٹھا لے جاتا ہے تو وہ چور سمجھا جائے گا۔

حق ملکیت کے عوامل؛

گویا در چیزیں کسی انسان کے حق ملکیت کے ضروری ہوتی ہیں۔ ابتدائی محنت اور اس پر قبضہ اور حفاظت۔

اب دیکھیے کسی شخص کو ایسی چیز کہیں گری پڑی مل گئی ہے یا اسے خود اٹھا کر اس نے محفوظ کر لیا ہے جس سے وہ توفائدہ نہیں اٹھا سکتا اور وہ اس کے لیے بیکار ہے اور ایک مدت تک یونہی پڑی رہتی ہے لیکن کوئی دوسرا شخص اس چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو اس پہلے شخص کو چاہیے کہ وہ چیز اس شخص کو ازراہ احسان دے دے جو اس کو سمیٹا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے کیونکہ کسی بھی چیز کی اصل غرض وفایت اس چیز سے انتفاع یا فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ اب اگر پہلا شخص وہ چیز از خود دوسرے کے حوالے نہیں کرتا تو دوسرے لوگ اسے ایسا کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر کسی چیز پر ابتدائی محنت اور قبضہ جمانے کے باوجود کوئی شخص اس سے انتفاع کی اہلیت نہیں رکھتا تو یہ عدم انتفاع اس کے حق ملکیت کے ساقط کرنے کا باعث بن سکتا ہے گویا ابتدائی محنت اور قبضہ تو ملکیت کے لیے حق میں مفید ہیں۔ انتفاع اس حق کو مضبوط بناتا ہے اور عدم انتفاع اس حق کو کمزور کر دیتا ہے۔

ایسے ہی حق ملکیت سے متعلق پیدا ہونے والے جھگڑوں کو طے کرنے کے لیے حکومتیں قانون بناتی ہیں۔ زمین بھی چونکہ ایک قدرتی عطیہ ہے لہذا اس سے انتفاع کے لیے بھی یہی قدرتی اصول لاگو ہوتے ہیں۔ حکومت کا کام یہ ہونا چاہیے کہ:

۱۔ جو شخص حقیقی زمین کو زیر کاشت لا کر اس سے فائدہ حاصل کر رہا ہے وہ اس کے قبضہ میں رہنے دے۔

۲۔ جس شخص نے کسی قطعہ زمین پر قبضہ جما رکھا ہے لیکن وہ اس کو زیر کاشت نہیں لاتا یا بالفاظ دیگر اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ حکومت اس سے زمین واپس لے کر کسی ایسے شخص کو دے دے جو اسے زیر کاشت لانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۳۔ حکومت کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ بے کار پڑی ہوئی زمین سے کچھ حصہ کسی ایسے شخص کو عطا کر دے جو اسے زیر کاشت لا کر فائدہ اٹھا سکے اور حکومت کا یہ عطیہ بھی دو اراض پر مبنی ہوتا ہے۔

۱۔ محض زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے کسی کاشتکار کو دے دی جائے۔
 ب۔ کئی شخص کو محض حکومت کی خدمات کے صلہ میں عطا کر دی جائے تاکہ وہ اسے
 زیر کاشت لا کر اس سے فائدہ حاصل کرے۔

انسان کی ابتدائی زندگی سے لے کر موجودہ دور تک زمین کی ملکیت سے متعلق
 یہی اصول لاگو رہے ہیں کئی مملکت کے قبضہ میں جتنی زمین ہوتی ہے اس پر ابتدائی حق تو
 حکومت ہی کا سمجھا جاتا رہا ہے بعد میں حکومت انہی مندرجہ بالا اصولوں کے تحت زمین
 کے حق ملکیت کے فیصلے کرتی ہے۔

حق ملکیت کا اسلامی تصور

اسلام نے اگر یہ تصور پیش کیا کہ ہر چیز کا خالق مالک اللہ تعالیٰ ہے لہذا یہ کائنات
 بشمول زمین سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، ارشاد باری ہے:
 ”وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۵)“
 ”اور زمین اور آسمانوں کی وراثت خدا ہی کے لیے ہے۔“

تو یہ اس لحاظ سے ہے کہ اگر ایک مالک زمین زمین بیچ دیتا ہے تو دوسرا
 اس کی جگہ لے لیتا ہے اور اگر مر جاتا ہے تو اولاد اس کی زمین کی وارث بن جاتی ہے
 ان میں سے کوئی ایسا مالک نہیں جو فانی نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے
 جسے بقائے دوام ہے لہذا وہی زمین و آسمان کا خالق و مالک بھی ہے اور وارث بھی۔
 مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین ہی نوع انسان کا مستقر اور اس سے فائدہ اٹھانے کے
 لیے بنائی ہے لہذا اسلام نے زمین پر انسانوں کا حق بھی تسلیم کیا ہے۔ اجتماعی طور پر
 بھی اور انفرادی طور پر بھی۔ زمین پر اجتماعی حق ملکیت یا حکومت کے حق کے لیے درج
 ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے:

”اِنَّ الْاَرْضَ يٰرِثُهَا مِنْ عِبَادِی الصّٰلِحُوْنَ“ (۲۱)

”بے شک میرے نیکو کار بندے زمین کے وارث ہوں گے۔“

اور انفرادی ملکیت کے لیے درج ذیل آیت ملاحظہ فرمائیے:

”اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مِنْ یّٰشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ“ (۲۸)

”بے شک زمین اللہ کی ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے

اس کا مالک بنا دیتا ہے!

گواہ تصور ملکیت زمین جو ابتدا سے چلا آرہا تھا اس میں صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ زمین کا اصل مالک و وارث اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہاری محنت کو بار آور بھی وہی کرتا ہے لہذا انسانوں کو چاہیے کہ زمین اور اس سے پیدا شدہ کھیتی کو خدا ہی کے احکام کے مطابق استعمال کیا جائے یعنی پیدا شدہ کھیتی سے اللہ کا حق بھی ادا کیا جائے اور کسی دوسرے کی زمین کو ناجائز طور غصب بھی نہ کیا جائے۔ رہا زمین پر انفرادی یا اجتماعی حق ملکیت تو اسے اسلام نے جوں کا توں برقرار رکھا ہے۔

یہ تو تھا حق ملکیت کے متعلق وہ تصور جو قرآن سے حاصل ہوتا ہے اور جس کی تائید و توثیق احادیث اور تاریخ سے بھی ہوتی ہے مگر جب سے روس میں اشتراکی نظام قائم ہوا ہے اور اس نے دوسرے ملکوں میں اس نظام کے بپا کرنے کے لیے فضا کو سمازگار بنانے کے لیے اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں تو اشتراکیت نوازوں نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانا شروع کر دیا ہے۔ چونکہ یہ اشتراکی نظام زمین اور اسی طرح دوسری اشیاء پر انفرادی حق ملکیت تسلیم نہیں کرتا، لہذا ان حضرات نے قرآن سے حق ملکیت زمین کے عدم جواز کا کھوج لگانا شروع کر دیا۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا تو ہے نہیں جو انسانی زندگی کے کسی تاریک گوشہ سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ مسئلہ انسان کی معاش سے تعلق رکھتا اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو زمین کی ذاتی ملکیت کو ناجائز یا حرام قرار دینا مقصود ہوتا تو قرآن میں ایسے واضح احکام نازل کیے جاتے جن سے سابقہ مروجہ حق ملکیت کی تردید کی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ قرآن میں کوئی ایسا واضح حکم موجود نہیں۔ قرآن نے بے شمار مروجہ عادات و رسوم کی واضح الفاظ میں تردید بھی کی ہے، حرام بھی کیا ہے اور اصلاح بھی فرمائی ہے جیسے شراب، سود، تعدد ازواج، میراث، طلاق اور ایلا وغیرہ۔ لیکن ذاتی حق ملکیت کے متعلق تردید تو درکنار اس کی توثیق ضرور فرمائی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ہوتا یہ ہے کہ جب کسی باطل نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی ضرورت درپیش ہو تو واضح احکامات کو چھوڑ کر مشابہ آیات کو اپنی خواہشات و نظریات کا ہدف بنایا جاتا ہے اور اسی بات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، ارشاد باری ہے :

هو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات من

ام الكتاب و اخر متشابہات فاما الذين في قلوبهم زيغ
 فيتحبون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء
 تاريكه و ما يعلم تاريكه الا الله و الراسخون في العلم
 ”وہی اللہ ہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم
 ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں۔ اور بعض متشابہ ہیں تو جن کے دلوں میں کجی
 ہوتی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور اس کی
 تاویل کریں حالانکہ ان کی تاویل اللہ ہی جانتا ہے اور (یا پھر وہ لوگ) جو علم میں
 دستِ گماہ کا مل رکھتے ہیں۔“

- اس آیت سے مندرجہ ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے۔
- ۱۔ متشابہات سے استنباط کرنا اور محکمت کو نظر انداز کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن لوگوں کے
 دل میں طیڑھ ہو۔ بالفاظ دیگر یہ لوگ کوئی باطل نظریہ قرآن سے کشید کرنا چاہتے ہوں۔
 - ۲۔ اس طرح کی تاویل کا حتی صرف ایسے لوگوں کو ہو سکتا ہے جن کا اوڑھنا بچھونا ہی دینی
 علوم اور ان پر عمل ہو۔
- اس واضح حکم کے باوجود ان دوستوں نے متشابہات ہی کو اپنی تاویل کا نشانہ بنایا ہے
 اب جن آیات و واقعات سے عدم جواز حتی ذاتی ملکیت زمین ثابت کیا جاتا ہے ہم اس کا
 جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

عدم جواز حتی ملکیت زمین

۱۔ قرآنی آیات سے؛

جن قرآنی آیات سے یہ مسئلہ استنباط کیا جاتا ہے، ان یں سرِ فرست تو اَلْاَرْضُ
 اَللّٰهُ يٰ اَللّٰهُ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ ہي ہيں جنہیں ہم ”حتی ملکیت کا اسلامی تصور“
 لے محکمت وہ آیات ہیں جن کے معنی ایک ہی ہوں اور صاف اور واضح ہوں اور متشابہات وہ آیتیں ہیں جن میں
 کئی معنوں کا احتمال پایا جاتا ہو اور مطلب کے کئی پہلو ہوں حقیقت میں مراد تو ایک ہی معنی ہوتے ہیں۔ مگر الفاظ اور
 ان کی ترکیب ایسی ہوتی ہے کہ دوسرے معنوں کا بھی احتمال پایا جاتا ہے۔ ایسی آیتوں کے معنی اپنی رائے سے نہ
 کرنے چاہئیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس سے رسول اللہ اور ان کے اصحاب نے کیا سمجھا۔ اس معیار کو نظر انداز
 کر کے اگر اپنی رائے سے تاویل کی جائے تو اس کے لیے وعید شدید آتی ہے کیونکہ یہی التفسیر باللہی کا اصل سبب ہے۔

کے ذیلی عنوان کے تحت پیش کر چکے ہیں، لہذا ان پر اب مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔
تیسری آیت جو اس سلسلہ میں بڑی شد و مد سے پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے:
”وجعل فیہما رواسی وبارک فیہما و قدر فیہما اقواتیما“

فی اربعۃ ایام سواء للساثلین؛“ (۳۱)

”اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی
اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا۔ چار دن (۴۰۰۰۰۰۰۰) میں اور تمام
طلبکاروں کے لیے یکساں“

آیت بان میں دو الفاظ سواء اور ساثلین ذمینی ہیں۔ اسی وجہ سے آیت کے ترجمے مختلف حضرات نے مختلف
کیے ہیں۔ تاہم ہم نے وہی معنی درج کیے ہیں جو ہمارے ان دوستوں کے حسب پسند ہیں۔

لفظ ستل کے معانی؛

ستل کا لفظ پوچھنا اور مانگنا دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً؛

۱۔ بمعنی پوچھنا جیسے فرمایا؛

”سألیہم عن خزانۃ المویا تکون ذین“ (۳۲) ”دوزخ کے داروغہ ان سے پوچھیں گے

کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا؟

۲۔ بمعنی مانگنا جیسے فرمایا؛

”ولا یستلون الناس الحافۃ، علیہم“ ”وہ لوگوں سے چمٹ کر نہیں مانگتے؛“

ستل کا لفظ قرآن کریم میں ۶ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ ۵۲ مقامات پر پوچھنے کے معنوں میں

آیا ہے اور ۵ مقامات پر مانگنے کے معنوں میں۔

لفظ سواء کے معانی؛ اسی طرح سواء کا لفظ بھی بنیادی طور پر دو معنی کا حامل ہے۔ (۱) استقامت (ثبوت) و
چیزوں کے درمیان برابری اور اعتدال (مقائیل للغة لابن الفارس) اور قرآن میں لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً

۱۔ استقامت کے لیے ”واهدنا الی سواء الصراط“ (۳۳) اور ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجئے؛ یہاں سواء
کا لفظ مستقیم کے معنوں میں آیا ہے جیسے سورۃ فاتحہ میں فرمایا ”اهدنا الصراط المستقیم“ ہم کو سیدھی راہ پر چلا،

۲۔ برابری اور اعتدال کیلئے جیسے فرمایا ”سواء علیہم سوء اندرتی و سوء لم یندرتی ہم (۳۴) آپ انہیں برابر
یا نہ ڈانٹیں ان کے لیے برابر ہے۔

”خذوا فاعتلوا الی سواء الجمیع“ (۳۵) فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ، اس گنہگار کو کھڑا کر دو اور بچھنے پر ہتھکڑی لگا دو

کے بچوں پہ لے جاؤ!

اب دیکھیے سَوَاءٌ تِلْكَ ثَلَاثِينَ کے مندرجہ ذیل معنی ہمیں تراجم میں ملتے ہیں:

(۱) برابر ہے واسطے پوچھنے والوں کے (شاہ رفیع الدین)

(۲) سب مانگنے والوں کے لیے ہر ایک کی طلب اور حاجت کے مطابق (تفہیم القرآن مودودی صاحب)

(۳) ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو (احمد رضا خاں)

(۴) تمام ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر (پرویز صاحب - قرآنی نظام ربوبیت)

اور یہ اختلاف معانی متاخرین تک ہی محدود نہیں متقدمین میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً ابن عباس

رضی اللہ عنہما فائدہ اور سدی کا یہ معنی بیان کرتے ہیں: ”پوچھنے والوں کا جواب پُرا ہوا“ اور ابن زید اس کا

یہ معنی بتلاتے ہیں ”ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق“ بحوالہ تفہیم القرآن حاشیہ آیت مذکورہ

برابری کس کس کی اور کس بات میں؟

اب ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ صرف پرویز صاحب کا ترجمہ ہی صحیح ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے

کہ ضرورت مند، طلبگار یا مجتمع صرف انسان ہی نہیں دوسری مخلوقات مثلاً حیوانات، پرند

پرند، کیڑے، مگرموڑے سب ہی خوراک کے محتاج ہیں اور سب کے لیے یہ خوراک زمین ہی سے

حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت:

”وَالْأَرْضُ وَضَعِي لِلْأَنَامِ“ (۵۵)

”اور زمین کو مخلوقات کے لیے بچھایا“

سے بھی واضح ہے۔ تو کیا یہ ساری مخلوق زمین یا پیداوار زمین میں برابر برابر کی حصہ دار ہوگی۔

جیسا کہ ہمارے یہ دوست کہتے ہیں؟ آخر انفرادی ملکیت سے زمین نکال کر اس کی پیداوار

کو صرف انسانوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے تو دوسری مخلوق کو سَوَاءٌ تِلْكَ ثَلَاثِينَ کے زمرہ

سے نکالنے کی کیا دلیل ہے؟

اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زمین سب مخلوقات میں برابر برابر تقسیم ہو یا اسکی

پیداوار؟ اور کیا یہ ممکن بھی ہے، واضح سی بات ہے کہ اس زمین کی پیداوار سے استفادہ

میں تو سب مخلوقات ایک جیسا حق رکھتی ہے جیسا کہ ابتداء میں ایندھن کی مثال سے

واضح کیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو زمین کو زیر کاشت لا کر اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اس سے

فائدہ اٹھاتے برابر ہے تو اس برابری کا مطلب صرف یہ ہوا کہ بے کار زمین کو زیر کاشت لائے گا

ہر شخص کو ایک جیسا حق حاصل ہے۔ اس میں کسی خاص گروہ یا نسل یا خاندان کا کوئی امتیاز نہیں۔ بس ہی اس آیت کا مطلب ہے اگر حکومت زمین کو انفرادی ملکیت سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لے تو یہ سواء للمساثلین کیسے ہوئی؟ پھر اگر حکومت اس کی پیداوار کو اپنی مرضی سے افراد کو دیتی یا ان میں تقسیم کرتی ہے تو بھی عملی طور پر سواء للمساثلین کے تقاضے پورے کرنا ناممکن ہے۔

سیاق و سباق کا طریقہ

کسی آیت کے مخصوص معانی متعین کرنے کا پہلا طریقہ تو تعریف آیات ہے۔ تعریف آیات سے جو نتیجہ نکلاؤ آپ دیکھ چکے ہیں۔ اب دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آیت زیرِ غور کو سیاق و سباق کے اندر رکھ کر معلوم کیا جائے کہ یہاں کون سے معنی فٹ بیٹھتے ہیں۔ آیت محمولہ بالاسورۃ حم السجۃ کی دسویں آیت ہے۔ اب اس سورہ کی آیات ۸ تا ۱۲ ملاحظہ فرمائیے:

”قلء انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین
وتجعلون له انداداً ذلک رب العلمین۔ وجعل
فیہا رواسی من فوقہا وبارک فیہا و قدر فیہا اقواتہا
فی اربعۃ ایام سواء للمساثلین۔ ثم استوی الی السماء
وہی دخان فقال لہما وللارض انتیا طوعا او کرہا قالتا
اتینا طائعتین فقط من سبع سموات فی یومین واولحی
فی کل سماء امرہا وزینا السماء الدنیا بمصابیح
وحفظا ذلک تقدیر العزیز العلیم“ (۱۱۸-۱۲۰)

”کو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا، اور دوسروں کو اس کا بڑا مقابل بناتے ہو۔ وہی تو سارے جہانوں کا مالک ہے اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سامانِ معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں (اور تمام) طلبگاروں کے لیے یکساں۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو خدا نے اس (آسمان) اور زمین سے فرمایا، کہ تم دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے انہوں نے کہا ہم خوشی سے آتے۔ پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور

ہر آسمان میں اس کے کام کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں یعنی ستاروں سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ زبردست اور خبردار کے مقرر کیے ہوئے اندازے ہیں۔“

ہم اس کتاب کے آغاز میں بتلا چکے ہیں کہ انسانی تاریخ کا ایک بنیادی اور اہم سوال یہ بھی ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کیونکر ہوئی؟ تو ان آیات میں اسی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے جو سالکین کے اطمینان کے لیے کافی ہے اب ان آیات میں سے ”سواء للساثلین“ دلی آیت نکال کر اسے مخصوص معنی میں محصور کر کے اس سے انفرادی ملکیت زمین کا عدم جواز ثابت کرنا ہمارے خیال میں قرآن کریم کے انداز کا منشا پورا نہیں کرتا اور جن علماء نے سواء للساثلین کا ترجمہ ”برابر ہے طلبکاروں کے لیے“ کیا ہے، وہ بھی اس سے وہ مفہوم مراد نہیں لیتے جو ہمارے اشتراکیت پسند حضرات متعین کرتے ہیں۔

چوتھی آیت جس سے یہ مسئلہ استنباط کیا جاتا ہے درج ذیل ہے:

”وجعلنا لکم فیہا معاش ومن لستم لہ برزقین!“ (ہجاء)

(۱) ”اور ہم نے اس (زمین) میں تمہارے اور جن کے تم رازق نہیں ہو گزرا رہے کے اسباب پیدا کیے ہیں“ (تثانی اللہ لہ تسری)

(۲) اور ہم نے معیشت کے اسباب فراہم کیے تمہارے لیے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لیے جن کے تم رازق نہیں ہو۔ (تفہیم القرآن)

گویا اس آیت میں بھی ”من لستم لہ برزقین“ سے مراد وہ انسان مراد نہیں جن کے پاس اپنی زمین نہیں، بلکہ انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات مراد ہے۔ البتہ شیلہ عثمانی نے اس کا ترجمہ ”جنھیں تم روزی نہیں دیتے“ کر کے حاشیہ پر ”باندی غلام، چوپائے اور خدام وغیرہ لکھا ہے۔

اب اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ یہاں من لستم لہ برزقین سے مراد صرف انسانوں کا نادر طبقہ ہی ہے جو زمین کا مالک نہیں تو بھی اس سے ملکیت زمین کا عدم جواز کب ثابت ہوتا ہے؟ یہاں تو ایک اصول بیان کیا جا رہا ہے کہ ”ہم نے سب کے لیے زمین میں سامان معیشت بنا دیا ہے“ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ امراء کو چاہیے کہ ناداروں کی ضروریات بھی پوری کریں اور یہ بات اسلامی تعلیمات کے بالکل مطابق ہے

اس سے کسی کو انکار نہیں۔

اس کے برعکس قرآن کریم میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن سے انفرادی ملکیت زمین کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

”ایود احدکم ان تکون له جنة من نخیل و اعناب
تجرى من تحتها الانهار له فیہا من کل الثمرات و
اصابه الکبر وله ذریة ضعیفاء فاصابہا اعصار
فیہ نار فاحترقت“ (۲۱۴)

”جھلٹا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوریں اور انگوروں کا باغ ہو
جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجو
ہوں اور اُسے بڑھاپا آپکڑے اور اُس کے ننھے ننھے بچے ہوں تو (ناگہاں)
اس یاغ پر آگ کا بھرا ہوا بگولا چلے وہ جل کر رکھ کا ڈھیر ہو جائے“
اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

واضرب لہم مثلاً رجلین جعلنا لہما جنتین
من اعناب وحفنینما بنخل وجعلنا بیلیمما نزعاً (۲۱۵)
اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کر د جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے
دو باغ عنایت کیے تھے اور ان کے گرد اگر کھجوروں کے درخت لگا دیے تھے
اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی یا

ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ملکیت زمین سے متعلق جو تصور پہلے
سے چلا آ رہا تھا قرآن کریم نے اسے بدستور برقرار رکھا ہے۔ اگر ملکیت زمین کے مسئلہ میں
ترمیم کرنا مقصود ہوتا تو اس کے لیے واضح اور قطعی احکام امتناع کا نازل ہونا ضروری تھا۔
جیسا کہ شراب، ترکہ، سود، پردہ، کثرت اندواج اور طلاق وغیرہ کے متعلق نازل ہوئے ہیں،
بلکہ یہ مسئلہ تو اور بھی زیادہ بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔

۲۔ تاریخ سے:

قرآن کے بعد ان حضرات نے احادیث اور تاریخ سے بھی استشہاد کیا ہے کہ حضرت
نے مغزوہ علاقوں کی زمینوں کو قومی تحویل میں لے لیا تھا۔ اس واقعہ کی حقیقت کچھ اس طرح ہے:

کے لیے اور باقی اموال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ اپنی صوابدید کی بناء پر یہ چاہتے تھے کہ اموال منقولہ کو تو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے لیکن مقتوحہ زمینوں کو بیت المال کی تحویل میں دے دیا جائے۔ آپؓ کے پیش نظر مندرجہ ذیل امور تھے:

۱۔ اگر مجاہدین میں یہ زمینیں تقسیم کر دی گئیں تو مجاہدین زراعت کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور عسکری قوت میں کمی ہو جائے گی۔

۲۔ ایک وسیع علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آچکا ہے۔ اس کی سرحدوں کی حفاظت پر بے شمار اخراجات کی ضرورت ہے۔ اگر یہ زمینیں بھی مجاہدین میں بانٹ دی جائیں تو اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟

۳۔ آپ مملکت اسلامیہ کو ایک فلاحی مملکت بنانا چاہتے تھے۔ امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق ”اگر مجھے پچھلے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں جو بستی فتح کرتا اسے فتح کرنے والوں میں بانٹ دیتا، جیسے اس حضرت نے خیبر کو بانٹ دیا تھا“ (کتاب المزارعۃ۔ باب اوقاف اصحاب النبی وارض الخراج)

چنانچہ اس مسئلہ پر شدید اختلاف واقع ہوا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت بلالؓ اور

تمام فوجی حضرات اس حق میں تھے کہ یہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم ہونا چاہئیں۔ جیسا کہ فتح خیبر کے وقت حضور اکرمؐ نے تقسیم فرمائی تھیں، تاہم بہت سے صحابہ حضرت عمرؓ کے ہم خیال بھی تھے اور حضرت بلالؓ نے آپ کو اس سلسلہ میں اتنا پریشان کیا تھا کہ حضرت عمرؓ دُعا کرتے تھے:

”اللہم اکفنی ہلا لا“

”اے اللہ! مجھے ہلا سے نجات دے“ (کتاب الخراج، امام ابویوسفؒ)

آپؓ نے اس سلسلہ میں کئی بار اہل شوریٰ اور اکابر صحابہؓ کی مجالس مشاورت بھی بلائیں لیکن معاملہ طے ہونے میں نہ آتا تھا اور آپ اس سلسلہ میں بہت پریشان رہتے تھے۔ تاہم ایزدی سے آپ کو اموال غنیمت سے متعلق ایک آیت کا ٹکڑا یاد آ گیا جو کہ اس معاملہ میں نص قطعی کا درجہ رکھتا تھا اور جس کی وسعت کے اس گوشہ کی طرف پہلے کسی کا ذہن منتقل نہ ہوا تھا۔ آیت کے ٹکڑا کے الفاظ یہ تھے: ”والذین جاء وامن بعدھم“ (یعنی اموال غنیمت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں) چنانچہ حضرت عمرؓ نے

ایک اجلاس عام بلایا اور اس معاملہ کے متعلق اس آیت سے استدلال پیش کیا تو عامۃ الناس آپ کے ہمنوا ہو گئے۔ چنانچہ ان نئی مفتوحہ زمینوں کو بیت المال کی ملکیت قرار دیا گیا۔

اب دیکھیے اس واقعہ سے بھی فقط اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ نئی مفتوحہ زمینیں تو قومی ملکیت میں لے لی گئیں اور سابقہ زمینیں جو پہلے مالکوں کے قبضہ میں تھیں وہ ان کے پاس رہیں۔ گویا اس واقعہ سے بھی زمین کی انفرادی ملکیت کا جواز ثابت ہوتا ہے، نہ کہ عدم جواز محض مالک کی زمین حکومت کو غصب کرنے کا ہرگز اختیار نہیں۔

۲۔ آج بھی اگر ایسے حالات پیش آجائیں تو اسلامی مملکت کے سربراہ کو ایسا کرنے کا اختیار ہے کہ وہ نئی مفتوحہ زمینوں کو سرکاری زمین قرار دے جیسا کہ آج کل بھی ہو رہا ہے۔

۳۔ جو فیصلہ بھی کیا جائے اس کی دلیل قرآن سے پیش کرنا اور اس کے متعلق مشورہ کرنا بھی ضروری ہے۔

اس ایک واقعہ کے بغیر ان حضرات کو ملت اسلامیہ کی پوری تاریخ سے کوئی مثال ایسی نہیں مل سکی جس سے یہ حضرات کچھ فائدہ اٹھا سکیں۔ البتہ ایسے واقعات سے پوری تاریخ بھری پڑی ہے جن سے حق ملکیت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ بائبل سے :

قومی ملکیت کے جواز پر قلم اٹھاتے ہوئے (محی صاحب کے استفسار پر) پروفیسر نے بائبل سے انتظام یوسفی کو بھی تائید کے طور پر پیش کیا ہے۔ گو اسنادی معیار کے لحاظ سے بائبل کا مقام حدیث سے بہت پست ہے اور قرآن نے اسے تحریف شدہ بھی قرار دیا ہے تاہم جہاں سے قومی ملکیت کی تائید میں کچھ مل جائے وہی غنیمت ہے۔ آپ پہلے بائبل کی عبارت نقل فرماتے ہیں پھر اس پر تبصرہ پیش کرتے ہیں۔

انتظام یوسفی :

اور وہاں تمام زمین پر کہیں روٹی نہ تھی اس لیے کہ کال ایسا سخت تھا کہ مصر کی سرزمین اور کنعان کی سرزمین کال کے سبب سے تباہ ہو گئی تھی۔ یوسف نے ساری نقدی جو ملک مصر اور کنعان کی سرزمین میں موجود تھی۔ اس غلہ کے بدلہ میں جو لوگوں نے مول لیا جمع کی اور یوسف اس نقدی کو فرعون کے گھر لایا اور جب ملک مصر اور کنعان کی سرزمین میں نقدی ختم ہوئی تو سارے مصر لوگ نے آکر یوسف سے کہا کہ ہم کو روٹی دے کہ ہم تیرے ہوتے ہوئے

کیوں دیں؟ کیونکہ نقدی چمک گئی۔ یوسف نے کہا کہ اپنے چو پائے دو اگر نقدی چمک گئی کہ میں تمہارے چو پائیوں کے بدلے تمہیں دوں گا، وہ اپنے چو پائے یوسف کے پاس لائے اور یوسف نے گھوڑوں اور بھیڑ بکری اور گائے بیل کے گھوں اور گدھوں کے بدلے ان کو روٹیاں دیں اور اس نے ان کے سب چو پائیوں کے بدلے میں انھیں اس سال پانچواں سال کا وہ سال گزر گیا وہ دوسرے سال اس کے پاس آئے اور اسے کہا کہ ہم اپنے خداوند سے نہیں چھپاتے کہ ہمارا نقد خرچ ہو چکا۔ ہمارے خداوند نے ہمارے چو پائیوں کے گلے بھی لیے سو ہمارے خداوند کی نگاہ میں ہمارے بندوں اور زمینوں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ پس ہم اپنی زمین سمیت تیری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیوں ہوں؟ ہم کو اور ہماری زمین کو روٹی پر مول لے لو اور اپنی زمین سمیت فرعون کی غلامی میں رہیں گے اور دانہ دے گا کہ ہم جیئیں اور نہ مریں کہ زمین دیران نہ ہو جائے اور یوسف نے مصر کی ساری زمین فرعون کے لیے مول لی کیونکہ مصریوں میں سے ہر شخص نے اپنی زمین بیچی کہ کال نے ان کو ہمت تنگ کیا تھا۔ سو زمین فرعون کی ہوئی۔ رہے لوگ سو اس نے انہیں شہروں میں مصر کی اطراف ایک حد سے دوسری حد تک بسایا۔ اس نے صرف گاہنوں کی زمین مول نہ لی کیونکہ وہ گاہن فرعون کی دی ہوئی جاگیر رکھتے تھے اور اپنی جاگیر جو فرعون نے انہیں دی تھی کھاتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی زمینوں کو نہ بیچا۔ تب یوسف نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو میں نے آج کے دن تم کو اور تمہاری زمین کو فرعون کے لیے مول لیا۔ لو یہ بیچ تمہارے لیے ہے۔ کھیت میں بوؤ اور جب یہ زیادہ ہو تو یہ ہو گا کہ تم پانچواں حصہ فرعون کو دو گے اور چار حصے کھیت میں بیج بونے کو اور تمہاری خوراک اور ان کی جو تمہارے گھرانے کے ہیں اور تمہارے بچوں کی خوراک کے لیے ہوں گے وہ بولے کہ تو نے ہماری جانیں بچائیں، ہم اپنے خداوند کی نظر میں مورد رحم ہوں اور ہم فرعون کے خادم ہوں گے اور یوسف نے ساری مصر کی زمین کے لیے یہ آئین بنایا جو آج کے دن تک مقرر ہے کہ فرعون پانچواں حصہ لے گا مگر صرف گاہنوں کی زمین فرعون کی نہ ہوئی۔

بائبل کتاب پیدائش باب ۴۷ سے یہ اقتباس نقل کرنے کے بعد پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

”اقتباس بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسفؑ نے جب علت مرض پر غور کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ملک کی معاشی بد حالی کا سبب یہ ہے کہ زمین بڑے بڑے

زمیندار قابض ہیں۔ انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیے جس سے وہ زمیندار مجبور ہو گئے کہ زمینیں حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیں، اس طرح تمام مزروعہ زمین انفرادی ملکیت سے نکل کر قومی ملکیت میں آ گئی۔ اس کے بعد حضرت یوسف نے اس زمین کو کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا اور انہیں آسانیاں ہم پہنچائیں تاکہ وہ خود کاشت کر سکیں۔ یہ کاشتکار اپنی محنت کے حاصل کے مالک آپ تھے۔ صرف پیدائش کا پانچواں حصہ حکومت کو دینا پڑتا تھا تاکہ اس سے مملکت کا نظام چل سکے۔ اب زمیندار کاشتکار کی محنت میں شریک نہیں تھے، اس طرح حضرت یوسف نے ان موٹی موٹی گایوں کو ذبح کر دیا جو دہلی گایوں کو کھائے جا رہی تھیں۔“

(قرآنی فیصلے ص ۳۰ تا ۳۱۲)

گو آپ نے یہ اقتباس نقل کرنے میں بھی حکم و اضافہ سے کام لیا ہے، تاہم اسے سر دست ہم نظر انداز کر رہے ہیں، البتہ یہ بات ضرور کہیں گے کہ اس سے اگلی آیت آپ نے درج نہیں فرمائی جو اس طرح ہے:

”اور اسرائیلی ملک مصر میں جن کے علاقہ میں رہتے تھے اور انھوں نے اپنی جائیدادیں کھڑی کر دیں اور وہ بڑھے اور بہت زیادہ ہو گئے۔“

(بائبل کتاب پیدائش، باب ۳۷، آیت نمبر ۲۷)

یہ آیت غالباً آپ اس لیے چھوڑ گئے کہ اس سے انفرادی ملکیت کا ثبوت ملتا تھا۔ اب ہم ان نتائج پر نظر کریں گے جو آپ نے بائبل کی آیات سے اخذ کیے ہیں:

- ۱۔ آپ کے خیال میں ملک مصر میں قحط کا سبب زمین پر زمینداروں کی ملکیت تھی جبکہ قرآن کریم میں قحطوں مصر کا خواب کہ ”سات موٹی گائیں سات دہلی گایوں کو کھا گئیں“ کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے یہ بتلائی تھی کہ پہلے سات سال رزق کی خوب فراوانی ہوگی۔ بعد میں سات سال سخت قحط نمودار ہوگا۔ اب اگر قحط کا سبب زمینداری اور قحط کو دور کرنے کے لیے زمینوں کو قومی ملکیت میں لینا ہی اس کا علاج ہے، تو آیا فراوانی کے سات سالوں میں یہ زمینیں قومی ملکیت میں تھیں؟ یہ تو ہوتا ہے کہ جاگیردارانہ نظام میں کاشتکار پر زبانی ہوتی ہے، لیکن کبھی آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ جاگیردارانہ نظام میں ملک میں قحط پڑ جاتا ہے؟

۲۔ صحیح معنوں میں بڑے زمیندار یا جاگیردار تو کاہن لوگ تھے، ان کی زمین ان کے پاس ہی رہنے دی گئی تو کیا یہ علاج صرف چھوٹے زمینداروں کے لیے ہی تھا۔

۳۔ زمینداروں سے بھی حضرت یوسفؑ نے زمین خریدی تھی اور اس کے عوض انہیں اتنی مالیت کا غلہ دیا تھا لیکن اشتراکیت میں تو زمینیں بحق سرکار ضبط کر لی جاتی ہیں، اس کا کیا جواز ہے؟

۴۔ حضرت یوسفؑ نے زمینوں کو قومی تحویل میں لینے کے بعد بھی پانچواں حصہ حکومت کے لیے مقرر کر کے بٹائی کا جواز تو ثابت کر دیا حصہ ملکیت کا زیادہ ہو یا کم محنت کا اس سے تو کوئی رکن نہیں پڑتا۔ اشتراکیت میں پیداوار کے ماحصل کا مالک کاشتکار نہیں ہوتا بلکہ حکومت ہوتی ہے، اسی لیے ہم جانتے ہیں کہ اشتراکیت جاگیرداری اور سرمایہ داری کی بدترین شکل ہے۔ اس میں حکومت کاشتکاروں کو ہی سلوک کرتی ہے جو انفرادی طور پر ایک زمیندار یا جاگیردار کاشتکاروں سے کتا ہے۔

۵۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ جن لوگوں سے حضرت یوسفؑ نے زمین لی تھی وہ کاشتکار نہ تھے بلکہ زمیندار تھے؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ایک زمیندار خود اپنی زمین کاشت کر رہا ہو اور آپ کی تعبیر کے مطابق کاشتکار تو دہلی گائے ہی ہو سکتا ہے پھر انہیں کیوں ذبح کیا گیا؟

۶۔ آپ کے خیال میں موٹی گائیں سے مراد زمیندار اور دہلی گالوں سے مراد کاشتکار ہیں۔ قرآن ان دونوں کی تعداد سات سات بتلاتا ہے تو کیا زمین کی ملکیت میں کل سات ہی زمیندار تھے اور سات ہی کاشتکار تھے؟ سو یہ ہیں وہ دلائل جنہیں ان حضرات نے بسعی بسیار اکٹھا کیا ہے۔ ان دلائل میں جو قوت یا وزن ہے وہ آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت رشید احمد رشتہ کی
ضرورت ہے۔ لڑکا تعلیم یافتہ خوش اخلاق اور صاحب کارخانہ و جائیداد ہے۔
جنیور و فوات کا کوئی مسئلہ نہیں۔ ۷۷ معرفت ماہنامہ ترجمان الحدیث ۴۷ شامان کالونی لاہور